ہمسائے کے بغیر پیغام

(مقامی نامہ نگار کی تحریر)

دیوتلہ کے نیم خوابیدہ قصبے میں برسوں بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے پورے قصبے کی روزمرہ زندگی کو ہلا کر رکھ دیا۔ منگل کی صبح ڈاکیے کی آواز پر جب لوگوں نے دروازے کھولے تو معلوم ہوا کہ قصبے کے واحد ڈاک خانے کا بورڈ رات کو کسی نے اتار کر پیچھے پھینک دیا تھا۔ یہ بورڈ برسوں سے وہاں لگا تھا اور قصبے کے بوڑھے اسے اپنی جوانی کی یادگار کہتے تھے۔ اس پر لکھا تھا: «ڈاک خانہ دیوتلہ، ضلع سنگ آباد»۔ اس کے نیچے ایک تیر بنا تھا جو پیچھے کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ بورڈ کے بغیر یہ تیر بالکل بے معنی لگتا تھا، جیسے کسی نے پورے قصبے سے کہا ہو کہ پیچھے دیکھو اور سوچو کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔

ڈاک خانے کی انچارج مسز نگہت پروین نے بتایا کہ بورڈ کا پیچ اتنا زنگ آلود تھا کہ اسے کھولنے کے لیے پیچ کس کے بجائے ہتھوڑی درکار تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کام کسی ایسے شخص نے کیا جو جانتا تھا کہ بورڈ کہاں لگا ہے اور کتنا پرانا ہے۔ قصبے میں ایسے لوگ گنتی کے چند ہیں۔ زیادہ تر نوجوان روزگار کی تلاش میں شہر جا چکے ہیں اور جو بزرگ باقی ہیں وہ اتنی پھرتی سے سیڑھی پر چڑھ کر پیچ کس نہیں چلا سکتے۔ تحقیق کرنے والے اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ کام کسی درمیانی عمر کے شخص نے کیا جو رات کو اکیلا نکلا اور جسے یہ بورڈ برا لگا۔ یہ نتیجہ خود اتنا ہی معنی خیز ہے جتنا بورڈ کا غائب ہونا۔

ڈاک خانے کے باہر جمع ہونے والے لوگوں میں ریٹائرڈ اسکول ماسٹر عبدالصمد نیر سب سے زیادہ بولتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ بورڈ پر لکھی عبارت میں ایک غلطی تھی جو کسی نے کبھی نہیں پکڑی۔ لفظ «ضلع» کے آخر میں ہ کے بجائے ھ لکھا گیا تھا، جو اس زمانے کے کاریگر کی لاعلمی کا ثبوت ہے۔ نیر صاحب نے مسکرا کر کہا کہ یہ غلطی اتنی پرانی ہے کہ اب اسے غلط کہنا بھی غلط ہوگا۔ یہ بات سن کر مجمع میں کچھ لوگ ہنسے اور کچھ خاموش ہو گئے، کیونکہ یہ ہنسی اور خاموشی دونوں ایک ہی سوال کے جواب تھیں: کیا ہم اپنی تاریخ کی غلطیوں کو درست کرتے ہیں یا ان کے ساتھ جینا سیکھ لیتے ہیں؟

قصبے کی بزرگ خاتون بی بی کلثوم نے اس واقعے کو ایک اور زاویے سے دیکھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بورڈ کا گرنا اس لیے بھی برا ہے کہ بچے اب راستہ پوچھنے کے لیے کسی بڑے کے ساتھ جانے کے بجائے خود سوچنے پر مجبور ہوں گے۔ ان کے مطابق پرانے زمانے میں راستے یاد رکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ بڑے بوڑھے بچوں کو ہر موڑ پر کوئی نشان دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ کل تم اکیلے آؤ گے تو یہ یاد رکھنا۔ بورڈ کا غائب ہونا اس روایت کا ہلکا سا خاتمہ ہے، اور شاید اسی لیے کچھ لوگ اسے اچھا بھی کہہ رہے ہیں۔

ڈاک خانے کے باہر کھڑے ایک نوجوان نے، جو حال ہی میں کراچی سے واپس آیا ہے، کہا کہ اگر یہ بورڈ کسی دکان یا ہوٹل کے باہر لگا ہوتا تو اسے فوراً بدل دیا جاتا کیونکہ وہ پرانا لگتا ہے۔ اس کی بات میں سچائی تھی۔ ہم چیزوں کو اس لیے نہیں بدلتے کہ وہ غلط ہیں، بلکہ اس لیے بدلتے ہیں کہ وہ پرانی لگتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ رویہ ہمیں زیادہ بہتر بناتا ہے یا صرف ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ ہم کتنے عارضی ہیں؟ قصبے کے لوگ ابھی اس سوال کا جواب نہیں دے رہے۔ وہ صرف اتنا کہہ رہے ہیں کہ بورڈ کو واپس لگایا جائے گا، اور یہ فیصلہ ہی اس پورے واقعے کا سب سے بڑا جواب ہوگا۔

پرانے ہمسائے کے بغیر پیغام

ہمسائے کے بغیر پیغام کے عنوان سے یہ تحریر ایک ایسے قصبے کی کہانی بیان کرتی ہے جہاں ڈاک خانے کا بورڈ اچانک غائب ہو جاتا ہے اور مقامی لوگ اس واقعے کو اپنی روزمرہ زندگی، یادداشت اور ایک دوسرے سے تعلق کے زاویے سے دیکھتے ہیں۔ مصنف نے اس واقعے کو محض ایک چوری نہیں بلکہ ایک ایسی علامت کے طور پر پیش کیا ہے جو برسوں سے موجود تھی مگر کسی نے اسے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ تحریر میں بزرگ، نوجوان اور درمیانی عمر کے کردار اس سوال پر آمنے سامنے آتے ہیں کہ ماضی کو یاد رکھنا ضروری ہے یا اسے آگے بڑھنے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ تحریر ہمسائے کے روایتی تصور کو نئے زاویے سے دیکھنے کی دعوت دیتی ہے۔

ہمسائے کے بغیر پیغام کے مصنف کا نام ڈاکٹر ارسلان حیدر ہے۔ وہ پیشے کے اعتبار سے ماہرِ نفسیات ہیں اور گزشتہ 8 برس سے ضلع کوٹ سرمد کے گورنمنٹ کالج برائے خواتین میں شعبۂ نفسیات کے سربراہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر ارسلان حیدر کا تعلق ضلع کوٹ سرمد ہی کے قصبہ نور آباد سے ہے جہاں وہ اپنا بچپن گزارنے کے بعد تعلیم کے لیے شہر منتقل ہوئے۔ ان کی تحریریں زیادہ تر روزمرہ زندگی، یادداشت اور انسانی رشتوں کے موضوع پر ہوتی ہیں۔ ہمسائے کے بغیر پیغام ان کی پہلی مطبوعہ تحریر ہے جو ادارہ «روشن قلم» نے شائع کی ہے۔

مصنف کا کہنا ہے کہ یہ تحریر ایک حقیقی واقعے سے متاثر ہو کر لکھی گئی، اگرچہ کردار اور مکالمے مکمل طور پر فرضی ہیں۔ ڈاکٹر ارسلان حیدر کے مطابق ہم روزانہ درجنوں نشانیوں کے پاس سے گزرتے ہیں اور ان کے معنی بھول چکے ہیں۔ ان کا سوال یہ ہے کہ اگر ایک نشان اچانک غائب ہو جائے تو ہم کتنے دن میں اسے یاد کرتے ہیں اور کتنے دن میں بھول جاتے ہیں؟ یہ سوال تحریر کے آخر تک قاری کے ذہن میں گونجتا رہتا ہے۔

تحریر کی زبان سادہ مگر پُراثر ہے۔ مصنف نے مکالمے کو طویل کرنے کے بجائے مختصر رکھا ہے تاکہ قاری کو سوچنے کا وقت ملے۔ بزرگ کردار کا لہجہ دھیما اور تجربے سے بھرا ہوا ہے، جبکہ نوجوان کردار کا لہجہ بے چین اور سوال کرتا ہوا ہے۔ درمیانی عمر کا کردار درمیان میں کھڑا ہے اور دونوں کی باتوں کو سنتا ہے۔ یہ توازن تحریر کو یک طرفہ ہونے سے بچاتا ہے۔ مصنف نے منظر نگاری کم کی ہے مگر جہاں کی ہے وہاں قاری کو قصبے کی گلیاں صاف نظر آتی ہیں۔

ہمسائے کے بغیر پیغام کا مرکزی خیال یادداشت اور ذمہ داری کے گرد گھومتا ہے۔ بورڈ کا غائب ہونا ایک ایسی کمی پیدا کرتا ہے جو کسی کو براہِ راست نقصان نہیں دیتی مگر سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ مصنف کا سوال یہ ہے کہ ہم چھوٹی چیزوں کو کب تک نظر انداز کرتے ہیں اور کب ان کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ سوال تحریر کو ایک عام واقعے سے نکال کر ایک بڑے سوال میں بدل دیتا ہے۔

تحریر کا اختتام کھلا ہے۔ بورڈ واپس آتا ہے یا نہیں، اس کا جواب قاری کو خود دینا پڑتا ہے۔ مصنف کا ماننا ہے کہ کچھ سوال جواب کے بغیر رہ جانے چاہییں تاکہ پڑھنے والا اپنے ماحول کو دوبارہ دیکھے۔ یہ فیصلہ قاری کو تحریر کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

ہمسائے کے بغیر پیغام

ہمسائے کے بغیر پیغام کا مرکزی خیال یادداشت اور ذمہ داری کے گرد گھومتا ہے۔ بورڈ کا غائب ہونا ایک ایسی کمی پیدا کرتا ہے جو کسی کو براہِ راست نقصان نہیں دیتی مگر سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ مصنف کا سوال یہ ہے کہ ہم چھوٹی چیزوں کو کب تک نظر انداز کرتے ہیں اور کب ان کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ سوال تحریر کو ایک عام واقعے سے نکال کر ایک بڑے سوال میں بدل دیتا ہے۔

تحریر کا اختتام کھلا ہے۔ بورڈ واپس آتا ہے یا نہیں، اس کا جواب قاری کو خود دینا پڑتا ہے۔ مصنف کا ماننا ہے کہ کچھ سوال جواب کے بغیر رہ جانے چاہییں تاکہ پڑھنے والا اپنے ماحول کو دوبارہ دیکھے۔ یہ فیصلہ قاری کو تحریر کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

ہمسائے کے بغیر پیغام

ہمسائے کے بغیر پیغام کا مرکزی خیال یادداشت اور ذمہ داری کے گرد گھومتا ہے۔ بورڈ کا غائب ہونا ایک ایسی کمی پیدا کرتا ہے جو کسی کو براہِ راست نقصان نہیں دیتی مگر سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ مصنف کا سوال یہ ہے کہ ہم چھوٹی چیزوں کو کب تک نظر انداز کرتے ہیں اور کب ان کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ سوال تحریر کو ایک عام واقعے سے نکال کر ایک بڑے سوال میں بدل دیتا ہے۔

تحریر کا اختتام کھلا ہے۔ بورڈ واپس آتا ہے یا نہیں، اس کا جواب قاری کو خود دینا پڑتا ہے۔ مصنف کا ماننا ہے کہ کچھ سوال جواب کے بغیر رہ جانے چاہییں تاکہ پڑھنے والا اپنے ماحول کو دوبارہ دیکھے۔ یہ فیصلہ قاری کو تحریر کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

ہمسائے کے بغیر پیغام

ہمسائے کے بغیر پیغام کا مرکزی خیال یادداشت اور ذمہ داری کے گرد گھومتا ہے۔ بورڈ کا غائب ہونا ایک ایسی کمی پیدا کرتا ہے جو کسی کو براہِ راست نقصان نہیں دیتی مگر سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ مصنف کا سوال یہ ہے کہ ہم چھوٹی چیزوں کو کب تک نظر انداز کرتے ہیں اور کب ان کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ سوال تحریر کو ایک عام واقعے سے نکال کر ایک بڑے سوال میں بدل دیتا ہے۔

تحریر کا اختتام کھلا ہے۔ بورڈ واپس آتا ہے یا نہیں، اس کا جواب قاری کو خود دینا پڑتا ہے۔ مصنف کا ماننا ہے کہ کچھ سوال جواب کے بغیر رہ جانے چاہییں تاکہ پڑھنے والا اپنے ماحول کو دوبارہ دیکھے۔ یہ فیصلہ قاری کو تحریر کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

ہمسائے کے بغیر پیغام

ہمسائے کے بغیر پیغام کا مرکزی خیال یادداشت اور ذمہ داری کے گرد گھومتا ہے۔ بورڈ کا غائب ہونا ایک ایسی کمی پیدا کرتا ہے جو کسی کو براہِ راست نقصان نہیں دیتی مگر سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ مصنف کا سوال یہ ہے کہ ہم چھوٹی چیزوں کو کب تک نظر انداز کرتے ہیں اور کب ان کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ سوال تحریر کو ایک عام واقعے سے نکال کر ایک بڑے سوال میں بدل دیتا ہے۔

تحریر کا اختتام کھلا ہے۔ بورڈ واپس آتا ہے یا نہیں، اس کا جواب قاری کو خود دینا پڑتا ہے۔ مصنف کا ماننا ہے کہ کچھ سوال جواب کے بغیر رہ جانے چاہییں تاکہ پڑھنے والا اپنے ماحول کو دوبارہ دیکھے۔ یہ فیصلہ قاری کو تحریر کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

ہمسائے کے بغیر پیغام

ہمسائے کے بغیر پیغام کا مرکزی خیال یادداشت اور ذمہ داری کے گرد گھومتا ہے۔ بورڈ کا غائب ہونا ایک ایسی کمی پیدا کرتا ہے جو کسی کو براہِ راست نقصان نہیں دیتی مگر سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ مصنف کا سوال یہ ہے کہ ہم چھوٹی چیزوں کو کب تک نظر انداز کرتے ہیں اور کب ان کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ سوال تحریر کو ایک عام واقعے سے نکال کر ایک بڑے سوال میں بدل دیتا ہے۔

تحریر کا اختتام کھلا ہے۔ بورڈ واپس آتا ہے یا نہیں، اس کا جواب قاری کو خود دینا پڑتا ہے۔ مصنف کا ماننا ہے کہ کچھ سوال جواب کے بغیر رہ جانے چاہییں تاکہ پڑھنے والا اپنے ماحول کو دوبارہ دیکھے۔ یہ فیصلہ قاری کو تحریر کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

ہمسائے کے بغیر پیغام

ہمسائے کے بغیر پیغام کا مرکزی خیال یادداشت اور ذمہ داری کے گرد گھومتا ہے۔ بورڈ کا غائب ہونا ایک ایسی کمی پیدا کرتا ہے جو کسی کو براہِ راست نقصان نہیں دیتی مگر سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ مصنف کا سوال یہ ہے کہ ہم چھوٹی چیزوں کو کب تک نظر انداز کرتے ہیں اور کب ان کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ سوال تحریر کو ایک عام واقعے سے نکال کر ایک بڑے سوال میں بدل دیتا ہے۔

تحریر کا اختتام کھلا ہے۔ بورڈ واپس آتا ہے یا نہیں، اس کا جواب قاری کو خود دینا پڑتا ہے۔ مصنف کا ماننا ہے کہ کچھ سوال جواب کے بغیر رہ جانے چاہییں تاکہ پڑھنے والا اپنے ماحول کو دوبارہ دیکھے۔ یہ فیصلہ قاری کو تحریر کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

ہمسائے کے بغیر پیغام

ہمسائے کے بغیر پیغام کا مرکزی خیال یادداشت اور ذمہ داری کے گرد گھومتا ہے۔ بورڈ کا غائب ہونا ایک ایسی کمی پیدا کرتا ہے جو کسی کو براہِ راست نقصان نہیں دیتی مگر سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ مصنف کا سوال یہ ہے کہ ہم چھوٹی چیزوں کو کب تک نظر انداز کرتے ہیں اور کب ان کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ سوال تحریر کو ایک عام واقعے سے نکال کر ایک بڑے سوال میں بدل دیتا ہے۔

تحریر کا اختتام کھلا ہے۔ بورڈ واپس آتا ہے یا نہیں، اس کا جواب قاری کو خود دینا پڑتا ہے۔ مصنف کا ماننا ہے کہ کچھ سوال جواب کے بغیر رہ جانے چاہییں تاکہ پڑھنے والا اپنے ماحول کو دوبارہ دیکھے۔ یہ فیصلہ قاری کو تحریر کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔